طلبائے شعبہ اسلامیات، مانو کی سرگرمیوں کا آئینہ دار

اسلامی مطالعات

ISLAMI MUTALA'AT

جلد: 1 شمارہ: 5 صفحات: 4 | شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد | جمادی الاولیٰ و جمادی الثانی 1438ھ فروری و مارچ 2017ء

زیر نگرانی : ڈاکٹر محمد فہیم اختر
زیر ہدایت : محترمہ سیدہ آمنہ
مجلس مشاورت : ڈاکٹر محمد عرفان احمد
مولانا محمد سراج الدین، محترمہ ذیشان سارہ

مدیر : صالح امین
مجلس ادارت : سید عبدالرشید، محمد عامر
مجلس انتظامی : طفیل احمد، محمد خالد، صلاح الدین

شعبہ سے رابطہ کے لئے پتہ
شعبہ اسلامک اسٹڈیز، اسکول برائے فنون وسماجی علوم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد 500032
فون نمبر: 040-23008364
ای میل: doismanuu@gmail.com
ویب سائٹ: www.manuu.ac.in

اداریہ

حصول علم کے بعض اہم ذرائع

اسلام میں علم کی اہمیت وفضیلت قرآنی آیات اوراحادیث رسول اللہ ﷺ سے واضح ہے۔ غارحرا میں نبی امی پر جو پہلی وحی نازل ہوئی اس کا آغاز لفظ ''اقرا'' سے ہوا؛ حالانکہ تقریباً چھ سوسالوں کی طویل مدت اوروقفہ کے بعدزمین کا آسمان سے وحی ونبوت کے ذریعہ رابطہ قائم ہوا تھا، اس موقع کی مناسبت سے اللہ کی عبادت اوراطاعت ومعرفت یابتوں کے ترک کرنے کا حکم دیا جا سکتا تھا اور جاہلیت اوراس کے عادات واطوار پرنکیر کی جاسکتی تھی۔ گرچہ یہ تمام باتیں اپنی جگہ درست اور اہم ترین ہیں؛ لیکن اس کے باوجودوحی کا آغاز علم کی تلقین کے ذریعہ کی گئی۔

قرآن کریم نے حصول علم کے مختلف ذرائع کا تذکرہ کیا ہے جن میں دو مآخذ اور ذرائع کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے، ان میں پہلا انفس وآفاق ہے اور دوسرا گزشتہ اقوام کے حالات وواقعات، جنہیں قرآن میں ''ایام اللہ''، ''آیات اللہ'' اور ''سنت اللہ'' وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے اورجن کے لئے علامہ اقبال نے عالم فطرت اور عالم تاریخ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، قرآن کریم میں فرمایا گیا: ﴿وذكرهم بايام الله ان فی ذلک لآيات لكل صبار شكور﴾ (ابراہیم:5) (انہیں اللہ کی طرف سے پیش آنے والے واقعات یاد دلاؤ، یقیناً اس میں ہرصبر اور شکر کرنے والے شخص کے لئے نشانیاں ہیں)۔ سورہ آل عمران میں وارد ہوا: ﴿قد خلت من قبلكم سنن فسيروا فی الارض فانظروا كيف كان عاقبة المكذبين﴾ (آل عمران:137) (تم سے پہلے بھی بہت سے واقعات پیش آچکے ہیں؛ لہٰذاتم زمین میں چل پھر کر دیکھ لوکہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟)۔

قرآن کریم کے مطابق سورج وچاند، سالوں کا امتداد، اختلافِ لیل ونہار، رنگ وزبان کا فرق، اور قوموں کی زندگی میں کامیابی اور ناکامی کے دنوں کی آمد ورفت وغیرہ یہ سارے عالم فطرت ہیں جن کا ہمیں بذریعہ حواس ادراک ہوتا ہے، اور اسی لئے انسان پر لازم ہے کہ وہ ان کی طرف خصوصی اعتناء کرے اوران میں غور وفکر کرتے ہوئے مفید نتائج اخذ کرے؛ تاکہ انسان کے مستقبل پراثر انداز ہونے والے قیمتی، دور رس اور ہرممکنہ اسباب ومحرکات کا ادراک کرسکے۔ قرآن کریم کی بنیادی تعلیمات میں سے یہ بھی ہے کہ سابقہ اقوام وملل کا محاسبہ انفرادی واجتماعی دونوں لحاظ سے کیا جائے کہ انہیں اپنی بد اعمالیوں کی سزااس دنیامیں بھی ملتی ہے، اور یہ وہ بات ہے جس کے ثبوت میں اس نے بار بار تاریخ سے استناد کیا ہے: ﴿والذين كذبوا بآياتنا سنستدرجهم من حيث لا يعلمون﴾ (الاعراف: 182) (اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کوجھٹلایا ہے، انہیں ہم آہستہ آہستہ پکڑ لیں گے جسے وہ سمجھ بھی نہیں پائی گے)۔ اورقرآن کریم میں ایسے لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جوان چیزوں میں غور وفکر کرتے ہیں: ﴿يتفكرون فی خلق السماوات والارض ربنا ما خلقت هٰذا باطلاً سبحانک فقنا عذاب النار﴾ (آل عمران:191) (آسمان وزمین کی بناوٹ میں غور کرتے رہتے ہیں، [وہ کہتے ہیں] اے ہمارے رب! آپ نے اسے بے فائدہ پیدانہیں فرمایا، آپ کی ذات تمام خامیوں سے پاک ہے، پس آپ ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالیجئے)۔

☆☆☆

صالح امین

عہد مغلیہ کا شاہکار طرز تعمیر

رضوان فردوسی (ایم اے، سال دوم)

ہندوستان میں فن تعمیر کی تاریخ پانچ ہزار سال پرانی ہے، ہندستان میں بہت سی قومیں آئیں اور اپنے تعمیری نقوش بھی چھوڑے؛ لیکن ہندستانی طرز سے بالکل الگ نہیں، بلکہ بیرونی اقوام کا ہم آہنگ یاتو یہاں کے مقامی خیالات میں جذب ہوگیا یا پھراس میں مزید ترقی ہوئی اوران دونوں کے امتزاج سے ایک تیسرا طرز رونما ہوا۔

منصوبہ بند طریقے سے ہندستانی عمارتوں کے جو نقوش ملتے ہیں ان میں اولیت موہن جودارو کوحاصل ہے، نیز بدھ مذہب اورجین مت کے بھی عمدہ تعمیری نقوش ملتے ہیں، جوان کی مہذب معاشرت کی غمازی اور عکاسی کرتے ہیں۔ اتنی بات ضرور ہے کہ ان کے یہاں مذہبی عمارتوں کو زیادہ اہمیت حاصل تھی، بدھوں کے یہاں (استوپا) مقبرہ (کیتیا) عبادت خانہ اور (دوہارا) خانقاہ کا تذکرہ ملتا ہے جس میں محراب، ستون، برآمدہ، صحن اور مختلف ہیئتوں میں گوتم بدھ کے مجسمے ملتے ہیں۔

ان تمام حقائق کے باوجود یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں فن تعمیر کو بلندیوں اور بام عروج پر پہنچانے والے مسلم حکمراں اوران کے طرزتعمیر ہیں اوران مسلم حکمرانوں اور مسلم سلطنتوں میں بھی ممتاز مقام اورتفوق عہد مغلیہ کا رہا ہے کہ ہندستانی تاریخ میں مغل حکمرانوں نے اس ملک اور عالمی فنون لطیفہ کے میدان میں بہت اہم یادگاریں چھوڑی ہیں جونہ صرف ان کی تمدنی ترقی کا آئینہ دار ہیں بلکہ سیاسی، معاشرتی اور معاشی فروغ کا بھی بین ثبوت ہیں۔

چنانچہ ابوفضل لکھتا ہے: بادشاہ خوبصورت عمارات کا منصوبہ بناتا ہے اوراپنے قلب ودماغ کے تخیلات کو پتھروں اور گاروں کی صورت عطا کرتا ہے۔ (قاسمی، فاروق اعظم۔ تخلیق کی دہلیز پر، ص: 216)

چنانچہ عہد مغلیہ میں جس بڑے پیمانے پر عمارتوں کی منصوبہ بندی کی گئی ان میں پائے جانے والی تعمیری تفصیلات ان کے نفاست، آرائش وزیبائش اوران کا حسن وجمال حیران کن ہے۔

مغلیہ طرز کا پہلا نمومہ (ہمایوں کا مقبرہ):

یہ نصیرالدین محمد ہمایوں کا مقبرہ ہے جسے حمیدہ بیگم نے 1564 میں سرزمین دہلی پر تعمیر کرایا یہ عمارت مربع چبوترے پر نہایت وسیع 22 فٹ لمبی ہے، سرخ پتھروں پرسنگ مرمر کی پچی کاری ہے، اس کا نچلا حصہ مثمن اور عمودی 47 فٹ ہے، اور اوپر سنگ مرمر کا گنبد ہے، یہ خوبصورت مقبرہ ایک ایرانی ماہر فن تعمیر ملک مرزا غیاث الدین کی زیر نگرامی ہندوستانی کاریگروں اور راجگیر وں کے ذریعہ تعمیر کیا گیا اس عمارت کے بارے میں عام طور سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ اس عمارت کا تصور ایرانی ہے لیکن کاریگری ہندستانی ہے انہیں خصوصیات کے بنا پر اسے ہند ایرانی فن تعمیر کا ایک عمدہ نمونہ شمار کیا جاتا ہے۔

عہد مغلیہ کا شاہکار محل (تاج محل):

تاج محل عہد شاہ جہانی کی نہیں بلکہ ہندوستان کی پوری تاریخ کی سب سے شاہکار عمارت ہے، دنیا بھر میں اس کی کوئی مثال نہیں، اس کی تشبیہ بجاطور پر ایک ایسے خوبصورت خواب سے دی گئی ہے جو سنگ مرمر میں ڈھلا ہے، اس کا بے مثال فن کارانہ کمال ہے کہ اتنی عظیم ووسیع عمارت ہونے کے باوجود حیرت انگیز لطافت اورنسوانیت ہے ساری عمارت نہایت اعلی قسم کے سنگ مرمر سے بنی ہے اور پچی کاری اور دل آویز آرائش سے زینت دیکر اس کے حسن اور خوبصورتی کو دوبالا کیا گیا ہے عمارت کے مخصوص حصوں میں قیمتی رنگ برنگے پتھروں جیسے سنگ یمانی، پشپ، حجرالدم، عقیق وغیرہ کی نہایت ہی نازک اور پرلطف ڈیزائنوں میں مرصع کاری کی گئی ہے اور جس کے چاروں کونوں پر ایک ایک مینار کھڑے ہیں، عمارت کے اندرونی حصے پر پیاز کی شکل کا ایک گنبد بھی تعمیر ہے اور گنبد کے چاروں طرف چھتریاں بنی ہوی ہیں، یہ عمارت شاہ جہاں نے اپنی بیوی ممتاز محل کی یاد میں تعمیر کروائی تھی، اور 1983 میں اقوام متحدہ کے ادارہ برائے تعلیم سائنس اور کلچر نے عالمی ثقافتی ورثہ کی جامع تعریف حاصل کرنے والی بہترین تعمیرات میں شمار کرایا۔

خلاصہ یہ کہ عہد مغلیہ نے فن تعمیر کو بلندی اور عروج کی انتہا تک پہنچایا اور ان کے نزدیک قلعے، مساجد اور مقبروں کی بڑی اہمیت تھی دیوان عام ، دیوان خاص، دالان، حمام، زنان خانہ وغیرہ پر مشتمل قلعے ہوتے تھے۔ مقبروں میں لمبا چوڑا چبوترا اس پر عمارت اور عمارت پر گنبد، مساجد میں حوض، گنبد، ممبر ومحراب اور کشادگی وبلندی مغلیہ طرز تعمیر کے امتیازات اور عہد مغلیہ کے تہذیب وثقافت کا مظہر ہیں، جس میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ مغل حکومت میں ملک کا کوئی بھی حصہ ایسا باقی نہیں جہاں پر انہوں نے اپنے اعلی تعمیراتی نمونے کے مظاہر نہ چھوڑے ہوں، اس لئے وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہی کہ ہندستانی تہذیب وثقافت کے فروغ میں سلطنت مغلیہ ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

☆☆☆

فن خطاطی - ایک تعارف

زیب النساء (ایم اے، سال دوم)

فن خطاطی کا تعارف

خطاطی فن کاری سے بلند تر کسی شے کا نام ہے۔ خطاطی کو انگریزی میں calligraphy کہا جاتا ہے۔ جو یونانی لفظ kallos اور graphos سے بنا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ خطاطی کو لکھنے پر وہ بہت خوبصورت دکھائی دیتی ہے' خطاطی کیلئے یکسوئی' انفرادیت' اور ہم آہنگی ضروری ہے۔ خطاطی میں جب بھی حروف یا الفاظ کو لکھا جاتا ہے تب اس حرف کے قاعدہ کا خاص خیال رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اگر بغیر قاعدہ کے اس کو تحریر کیا جائے تو اس کو خطاطی میں شمار نہیں کی جاتی ہے۔ خطاطی پر قواعد کے ساتھ تحریر کی خوبصورتی کی پابندی بھی ضروری ہے۔ خطاطی دراصل فکر' جذبات' اعصاب' نفسیات' کی ہم آہنگی (neuro muscular co-ordination) کا دوسرا نام ہے۔ ایک خطاط دراصل اپنے رسم الخط' سامان' عبارت اور اپنی تحریری وراثت سے پوری طرح مربوط وہم آہنگ ہوتا ہے یا ہونا ضروری ہے۔ دنیا کی صرف تین تہذیبوں نے عالم انسانیت کو بہترین خطاطی کے مثالی نمونے فراہم کیے ہیں۔ خطاطی ہندوستانی خوش نویسی کا ایک بہت ہی اہم وسیلہ بن گئی ہے' عربوں' مصریوں و ایرانیوں نے خوش نویسی کوایک آرٹ کی شکل میں ترقی دی تھی۔ اس لئے یہ خوش نویسی ہندستانی تہذیب کا ایک اہم وسیلہ بن گئی۔

وہ زبانیں جس میں خطاطی عام ہے

عربی خطاطی' فارسی خطاطی' انگریزی خطاطی' چینی' خطاطی' دیوناگری' خطاطی' ہندی' لاطینی' عبرانی' وغیرہ زبانوں کی خطاطی عام ہے۔ اور ہر زبان میں خطاطی کے اپنے اصول اور قواعد ہیں۔ اردو، عربی، فارسی زبانوں میں خط نسق' خط نستعلیق' خط ثلث' خط دیوانی' خط کوفی وغیرہ عام خط ہیں۔

عربی رسم الخط کا ارتقا

زبان عربی اور خط عربی کا حضرت اسماعیلؑ سے آغاز ہوتا ہے۔ نیابط حضرت اسمائیلؑ کے پوتے تھے جن سے نبطی قوم کی بنیاد پڑی۔ خط نبطی کا ماخذ فنیقی رسم الخط تھا۔ فنیقی خط میں ترمیم سے آرامی خط بنا اور پھر دوسری صدی قبل مسیح میں اس خط میں مزید ترمیم اوراضافوں سے خط نبطی پیدا ہوا۔ پہلی صدی عیسوی میں یہ سینا پہنچا اور کچھ ترمیم کے بعد پانچوی صدی عیسوی تک سینا کے علاقہ میں مقبول رہا اور خط سینا کہلایا۔

عربی رسم الخط اور عربی خطاطی کے ارتقا کا گہرا تعلق قرآن کی کتابت سے ہے، اور مسلمانوں کی قرآن سے محبت نے عربی خطاطی کی ترویج وترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ عربی خوش نویسی کی سب سے زیادہ خوبصورتی خط ثلث میں نظر آتی ہے۔

ایسے ہی عربی خط کا ارتقاء ہوا، اوراس میں ترمیم ہوتی گئی، رسول اللہ ﷺ کے دور میں خط مسند میں تحریریں لکھی جاتی تھیں۔ آپ ﷺ کے بعد خط کوفی ہی زیادہ تر استعمال کیا جانے لگا۔ عہد اموی میں' عہد عباسی وغیرہ میں خط کوفی ہی استعمال ہوتا تھا۔ پھر جب ہندستان میں اسلام کی آمد ہوئی، تب خط بہار استعمال ہونے لگا' بابر نے اپنا خط ایجاد کیا جو خط بابری سے جانا گیا۔ ۱۸/۱۹ویں صدی عیسوی میں خط شکستہ ایجاد ہوا۔ ایسے ہی عہد عثمانی میں خط ثلث استعمال ہوا۔ اور پھر خط دیوانی علم وجود میں آیا۔

چودھویں صدی عیسوی میں نامور خطاط پیدا ہوئے اور اس فن کی دنیا آباد رکھی، بالخصوص خواجہ میر علی تبریزی جس نے آٹھواں خط نسق اور نستعلیق ملا کر نسختعلیق کے نام سے شروع کیا۔ یہ خط ایرانی فطری تجسس اور حسن پرستی کا ثبوت ہے۔ اس خط نے کوفی اور نسخ سے بھی زیادہ شہرت پائی۔ ابتداء میں اس خط کا نام نسختعلیق تھا لیکن کثرت استعمال سے یہ خط نستعلیق مشہور ہوگیا۔ سولہویں صدی عیسوی میں خط محقق استعمال ہوا۔ ۱۹/۲۰ء میں خط غبار استعمال ہوا۔

عربی خطاطی یا اردو خطاطی کو سیکھنے والا یا سکھانے والا خط نستعلیق سے شروع کرتا ہے جو کہ بہت آسان اور عام خط ہے۔ ہمارے لئے یہ جاننا اہم ہے کہ عربی زبان اور عربی خطاطی ہمارے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے۔

☆☆☆

ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ: ایک مطالعہ

عبد الرقیب (پی ایچ ڈی)

ایشیا ٹک سوسائٹی کا قیام: 15 جنوری 1784 میں سر ولیم جونس نے ایشیائی مطالعات کیلئے ایک مرکز قائم کیا جس کا دائرہ تحقیق ایشیا کے جغرافیائی حدود میں انسان اور قدرت سے ہے؛ یعنی ایشیا کے شہری، قدرتی تاریخ، آثار قدیمہ، فنون لطیفہ، سائنسی علوم وادب سے متعلق قائم کیا۔

1794 میں سر ولیم جونس کی وفات کے بعد اس سوسائٹی کی حالت دس سالہ یتیم بچی کے مانند تھی جس کے پاس نہ سر چھپانے کی کوئی جگہ تھی اور نہ خرچ کرنے کیلئے ایک پیسہ۔ 1805 میں گورنمنٹ نے پارک اسٹریٹ اور چورنگی کے نکڑ پر زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا سوسائٹی کو دیا، جو اس سوسائٹی کی موجودہ جگہ ہے جس پر 1808 میں تعمیراتی کام مکمل ہوا۔ اس کے بعد 1961 میں حکومت ہند اور مغربی بنگال کی حکومت کی مدد سے جگہ کا مسئلہ حل کرنے کیلئے سوسائٹی کے احاطے میں ایک نئی چار منزلہ عمارت کا افتتاح اس وقت کے صدر رادھا کرشن نے 22 فروری 1965 کو کیا۔

سوسائٹی کی رکنیت برسوں تک یورپین کیلئے مخصوص رہی۔ جنوری 1829 میں ڈاکٹر ہوریس ہیمن ولس کے مشورہ پر ہندوستانیوں کو اس سوسائٹی کی رکنیت دی گئی۔

ایشیاٹک سوسائٹی مشرقیات کے مطالعہ اور تحقیق کے سلسلے میں ایک بنیادی مرکز ثابت ہوئی اور اس نے ایسے دو اہم مراکز کی طرف دست تعاون بڑھایا، جنہوں نے ہندوستان کی نشاۃ ثانیہ کیلئے راہ ہموار کیا وہ دونوں مراکز تھے فورٹ ولیم کالج اور ولیم کیری کا سیرام پورشن۔

1805 میں کا سیرام پورشن کی حالت سے ایک تجویز ایشیاٹک سوسائٹی کے پاس آئی کہ سنسکرت کی کلاسیکی تصانیف انگریزی ترجمے کے ساتھ شائع کی جائیں اور اس مقصد کے لئے انہوں نے جو پہلی کتاب چھاپی وہ سنسکرت کی مشہور کتاب رامائن تھی اس کیلئے سوسائٹی نے اپنے فنڈ سے پانچ ہزار پانچ سو روپے خرچ کئے۔ ایشیا ٹک ریسرچ کی اشاعت 1788 میں شروع ہوئی اور 1839 تک جاری رہی، اس مدت میں 20 جلدیں شائع ہوئیں۔

خدمات اور حصولیابیاں: ذیل میں ایشیاٹک سوسائٹی کی اہم خدمات اور حصولیابیوں کا مختصر خاکہ پیش کیا جارہا ہے:

☆1785 میں سر چارلس ولکنن نے بھگوت گیتا کا انگریزی ترجمہ کیا۔ ☆1789 میں جے دیو کی گیتا گوند کا ترجمہ کیا گیا۔ ☆1789 میں سر ولیم جونس نے کالی داس کے مشہور ڈرامہ سکنتلا کا ترجمہ کیا۔ ☆1792 میں جونس نے لیلیٰ مجنوں کا ترجمہ کیا۔ ☆1798 میں کول بروک نے ہندوستان کی مستند کتاب دوادبھانگر نو کا انگریزی ترجمہ کیا۔ ☆1808 میں ٹیپو سلطان کے شاہی کتب خانے سے دوسری قیمتی کتابیں یہاں پر آئیں۔ ☆1814 میں سوسائٹی نے ایک پبلک میوزیم قائم کیا۔ ☆فورٹ ولیم کالج نے اپنے ذخیرہ کتب سے سوسائٹی کو کتابیں فراہم کیں۔

سوسائٹی کی بیشتر کتابیں اپنے مواد اور استدلال کے اعتبار سے پورے طور پر تحقیقی ہیں۔ اس کی مطبوعہ "ببلیوتھیکا انڈیکا" میں سنسکرت، عربی، فارسی، بنگالی، تبّتی اور دوسری ایشیائی زبانوں کے کئی سو متن اپنی اصلی زبان اور ترجمے کی شکل میں شامل ہیں۔ 86-1985 میں ایک سو چالیس مخطوطے رادھا کانت دیب لائبریری سے حاصل کرکے اس کے اندر شامل کیا گیا۔ یہاں فارسی مخطوطات کی تعداد 4379 ہے۔ تاریخ کے اہم مخطوطات میں آئینہ بخت، وقائع دیزیر، قندیہ، جوھر صمصام، تاریخ اودھ، اکبرنامہ، فوائد مخیّر وزشاہی، آداب عالمگیر وغیرہ شامل ہیں۔

یہاں پر جو علمی سرمایہ موجود ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے: کل مخطوطات: 47000 (26 زبانوں میں)، کتابیں: 117000، جرنل: 79000، نقشے: 293، پینٹنگز: 182، پمفلٹس: 2500، فوٹو گرافس: 2150، اشوک کے زمانہ کی پلر مورتی: 250، مسکوکات: نیلمان سین کے مطابق 1976 میں ہندو سکے: 18284، مسلم سکے: 4418، غیر ملکی سکے: 760، طلائی سکے: 120۔

☆☆☆

حضرت شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہؒ

اکبر الدین خطیب (ایم اے، سال دوم)

آپ کا اسم اعظم "انوار اللہ" ہے، آپ کے والد ماجد کا اسم مبارک ابوشجاع الدین ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کا سلسلہ نسب حضرت امیر المومنین عمر فاروقؓ سے جا ملتا ہے اور والدہ ماجدہ کے واسطہ سے امام الطریقت سید احمد کبیر رفاعی حسینیؒ (متوفی: 578ھ) تک پہنچتا ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت بتاریخ 6 ربیع الثانی 1264ھ میں ہندوستان کے ضلع ناندیڑ ریاست مہاراشٹرا میں اللہ کے ایک ولی حضرت یتیم شاہ صاحب مجذوب کی دعا بن کر جلوہ گر ہوئے۔ حضرت شیخ الاسلام نے پانچ سال کی عمر میں حضرت سید شاہ بدیع الدین رفاعی قندھاریؒ کے پاس نظرہ قرآن کریم شروع کیا اور گیارہ سال کی عمر میں حفظ قرآن مکمل کیا اور ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور فقہ اور معقولات عبد الحلیم فرنگی اور عبد الحی فرنگی محلی سے حاصل کی اور آگے چل کر وقت کے اولیاء کے سردار بن گئے اور بڑے بڑے اولیاء کرام اور صوفیاء عظام اور وقت کے بادشاہ آپ کے درس کی زینت بنے۔ آپ فقہ، تفسیر، حدیث، معقولات، ادب وغیرہ کا درس دیا کرتے تھے اور آپ کی درسگاہ میں ایک ضم غفیر رہتا تھا۔ آپ کو شاعری سے بھی بہت زیادہ دلچسپی تھی، آپ نے اردو عربی اور فارسی میں بھی شاعری فرمائی اور آپ نے علمی اسفار بھی فرمائے، پہلا سفر آپ نے 1294ھ میں حرمین شریفین کا فرمایا اور اسی سفر میں شیخ الوقت فانی فی اللہ باقی باللہ حضرت حافظ حاجی امداد اللہ شاہ صاحب مہاجر مکیؒ سے بیعت فرمائی اور آپ سے کسب فیض کیا۔

شیخ الاسلام کے علمی وتالیفی کارنامے: شیخ الاسلام نے حجاز کا سفر 3 مرتبہ فرمایا۔ جب تیسری مرتبہ حج کے ارادے سے تشریف لے گئے تھے تو رہیں مقیم ہونے کا عزم فرما لئے تھے؛ لیکن حضور تاجدار مدینہ ﷺ آپ کے خواب میں تشریف لائے اور آپ کو دوبارہ ہندوستان لوٹنے کا حکم دیا اور آپ ﷺ کے فرمان کی بناء پر ہندوستان تشریف لائے اور سب سے پہلے ہندوستان میں ایک علمی ادارہ قائم کیا اور وہ ادارہ جامعہ نظامیہ کے نام سے موسوم ہوا۔

1- حضرت شیخ الاسلام نے 19 ذی الحجہ 1292ھ میں جامعہ نظامیہ کی بنیاد رکھی۔ جامعہ نظامیہ جو آپ ملک کی ایک عظیم وقدیم اسلامی یونیورسٹی ہے اور حضرت شیخ الاسلام ہی کی قائم کردہ درسگاہ علم وادب ہے اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ مسلمانوں میں مذہبی شعور بیدار کیا جائے، انہیں دینی تعلیم سے روشناس کرایا جائے۔ الحمد للہ، حضرت شیخ الاسلام کا مقصد پورا ہو رہا اور اس جامعہ سے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں طلبہ وطالبات اور علماء وفضلاء علم سے روشناس اور فیضیاب ہو رہے ہیں اور اہل سنت والجماعت کی خدمت اور حفاظت کررہے ہیں۔ کم وبیش اس جامعہ نظامیہ سے فارغین کی تعداد دو لاکھ سے زائد بتائی جاتی ہے۔ اس جامعہ کے علاوہ شیخ الاسلام کے تالیفی میدان میں بھی بہت سے علمی کارنامے آفتاب کی بلندیوں میں ہیں۔ 2- "دائرۃ المعارف العثمانیہ" یہ کتب خانہ بھی آپ کا ہی قائم کردہ ہے۔ 3- کتاب العقل، عقل کی حقیقت پر بحث فرمائی ہے۔ 4- انوار احمدی، یہ کتاب سیرت نبوی ﷺ پر ہے اور اس کو مدینہ طیبہ میں تصنیف فرمائی گئی ہے۔ 5- افادۃ الافہام، مذہب قادیانی کے رد میں لکھی گئی ہے۔ افادۃ الافہام کے دو حصے ہیں: ایک انوار الحق اور دوسرا مفاتیح الاعلام کے نام سے چار کتابیں شائع ہوئیں۔ 6- حقیقۃ الفقہ، یہ کتاب فقہ کی حقیقت پر لکھی گئی ہے، یہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ 7- مقاصد الاسلام، یہ کتاب مختلف موضوعات پر محیط ہے اور 11 جلدوں پر مشتمل ہے۔ 8- رسالہ مسئلۃ الربا 9- الکلام المرفوع فیما یتعلق بالحدیث الموضوع 10- خدا کی قدرت 11- رسالہ خلق افعال 12- رسالہ انوار اللہ الورود فی مسئلۃ وحدۃ الوجود 13- رسالہ لعج الحج 14- رسالہ چہل حدیث 15- رسالہ بشری الکریم 16- انوار التجید فی ادلۃ التوحید 17- شمیم الانوار

شیخ الاسلام کے شاگرد وتلامذہ: 1- آپ کے پہلے شاگرد اور جامعہ نظامیہ کے اول مفتی محمد رکن الدینؒ ہیں جنہوں نے فتاویٰ نظامیہ پانچ جلدوں میں مرتب کی۔ 2- ابوالحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی مجددی قادریؒ: آپ کا لقب محدث دکن ہے۔ آپ نے احناف کے دلائل پر مبنی زجاجۃ المصابیح تصنیف فرمائی۔ 3- ابوالوفاء افغانی۔ 4- حضرت محمد عبد الکریم خان صاحب سابق منتظم درگاہ حضرت خواجہ اجمیریؒ۔ 5- حضرت غفران مکان نواب میر محبوب علی خان بہادر آصف جاہ سادس۔ 6- اعلیٰ حضرت آصف جاہ سابع نواب میر عثمان علی خان بہادر سلطان العلوم شہریار دکن۔ 7- مولانا سید برہان الدین حسینی صاحب سجادہ قندھار شریف

وصال: جمادی الثانی 1336ھ میں آفتاب علم وکمال اہل دنیا کی نظروں سے غائب ہوکر رفیق اعلیٰ سے جاملا۔ آپ کی نماز جنازہ مکہ مسجد میں ادا کی گئی اور جامعہ نظامیہ میں موفون ہوئے۔

☆☆☆

مسلم پرسنل لاء بورڈ: تعارف اور خدمات

عبد الباری (ایم فل)

آزادی کے بعد ہندوستان کی تقسیم، یہ ایسا سانحہ تھا جس نے اِس ملک کے درمیان رہنے والی دو بڑی قوموں کے درمیان نفرت کی دیوار کھڑی کردی، جس کا اثر دونوں قوموں کے مذہب پر پڑا، خاص طور پر ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی، ملی، سماجی اور دینی وروحانی صورتحال بری طرح متاثر ہوئی۔ اگر چہ ہمارے جمہوری مملکت ہندوستان کا دستور تعصّبات سے پاک رہا اور آئین میں ہر مذہب کو اس کی پوری آزادی دی گئی؛ لیکن دستور کی ہی ایک دفعہ میں یہ گنجائش چھوڑ دی گئی جس سے پورے ملک میں بتدریج یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا موقع مل جائے۔ اسی وقت ہمارے بالغ نظر قائدین نے توجہ بھی دلائی؛ لیکن براہوان لمحوں کی خطا کا جس کی شاید مسلمان صدیوں سزا پائیں گے۔ کچھ بھی سال گزرے تھے کہ وہی خدشات خطرات کی صورت میں نمودار ہونا شروع ہوئے اور سب سے پہلے 1956ء میں ہندو کوڈ بنا اور یہ بل پارلیمنٹ میں منظور ہوا تو وزیر قانون ایچ آر گھوکھلے نے کہا تھا کہ: یہ یکساں سول کوڈ کی طرف پہلا قدم ہے اور یہ بڑھتے سائے مہیب بادلوں کی شکل اختیار کرتے چلے گئے۔ کسی نے دلی آواز میں مرعوبیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یکساں سول کوڈ کا مشورہ دیا تو کسی نے اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل کے لئے یکساں سول کوڈ کا مطالبہ کیا، رفتہ رفتہ یہ مطالبات زور پکڑتے گئے؛ یہاں تک کہ 1972ء میں لے پالک کو حقیقی اولاد قرار دے کر شریعتِ اسلامیہ کی کھلی خلاف ورزی کی گئی۔ یہی وہ موقع تھا جب کہ ملک کے دردمند علماء ومفکرین اور دانشور حضرات نے شریعت اسلامیہ پر ہونے والے ان حملوں کا نوٹ لیا اور متحدہ طور پر اسلامی تشخصات کی حفاظت کے لئے آگے آئے اس ضمن میں سب سے پہلا اجلاس حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی تحریک پر دارالعلوم دیوبند میں منعقد ہوا۔

اس کے چند ماہ بعد 1972ء میں ممبئی میں مسلم پرسنل لاء کنونشن منعقد کیا گیا، جس میں بلا لحاظ مسلک ومشرب ہندوستان کے سبھی مسلم رہنماؤں نے شرکت کی۔ اسی کنونشن میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کا قیام عمل میں آیا اور اس کا پہلا اجلاس ہندوستان کے علم پرور ادب نواز تاریخی شہر حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں ہوا۔ اس اجلاس میں بورڈ کی باضابطہ تشکیل ہوئی اور باتفاق رائے حضرت مولانا قاری طیبؒ کو اس کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔

بورڈ نے اپنے چالیس سال سے زائد عرصہ میں جو شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں وہ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ 1972ء میں متبنی بل واپس لیا گیا، 1975ء میں جب ایمرجنسی نافذ کی گئی اور جبراً نس بندی مسلط کرنے کی کوشش کی گئی تو بورڈ نے انتہائی جبر واکراہ کے ماحول میں پوری قوت ووضاحت کے ساتھ حق کا اعلان کیا اور اس کی پر زور مخالفت کی اور شریعت اسلامی پر آنچ آنے نہیں دی۔ اسی طرح 1978ء میں الٰہ آباد ہائیکورٹ کے مساجد ومقابر کو ایکوائر کرنے والا فیصلہ دیا جس کی وجہ سے مساجد ومقابر سے مسلمانوں کو ہاتھ دھونا پڑتا تھا۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ نے ذمہ دارانِ حکومت پر دباؤ ڈال کر اس فیصلہ کو بھی واپس کروایا۔ اسی طریقہ سے شاہ بانو کیس میں بھی شوہر پر مطلقہ کے لئے تا حیات یا تا نکاح ثانی شوہر پر نفقہ لازم قرار دیا گیا۔ اس کے خلاف بھی بورڈ نے پورے ملک میں تحفظ شریعت کی تحریک چلائی، نتیجتاً حکومت نے 1986ء میں قانون تحفظ حقوق مسلم مطلقہ پاس کیا۔ اسی طرح بابری مسجد کے مسئلہ کو بھی بورڈ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہے۔

بورڈ اپنے تاسیسی مقصد یعنی مسلم پرسنل لاء کا تحفظ اور یکساں سول کوڈ کی مخالفت میں پورے ہندوستان مسلمانوں کی آواز کو لے کر مسلسل سرگرم عمل ہے اور باطل کی ہر آواز پر بورڈ اس کے خلاف صف آراء ہوجاتا ہے، تحریر وتقریر سے بورڈ کی وضاحت کی جاتی ہے، اس کے علاوہ مسلمانوں کے نزاعی معاملات کی یکسوئی کے لئے جگہ جگہ دار القضاء کا قیام، اصلاح معاشرہ کی کوششوں میں سرگرم عمل ہے اور اب اس بورڈ پر جب کہ یہ ہندی مسلمانوں کی آخری آواز اور رہی سہی متحدہ طاقت ہے۔ باطل اس کو بھی ختم کردینے اور یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے ذریعہ انتشار پھیلانے کے درپے ہے۔ اس موقع پر ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم تحفظ شریعت کے لئے اور اسلامی آئین کی پاسداری کے لئے آگے آئیں اور اتحاد کا ثبوت دے کر باطل کی سرکوبی کے لئے ہمہ تن سرگرم عمل رہیں۔

☆☆☆

اسلام کے ماضی وحال کا جب مقابلہ کیا جائے گا تو اس طرح کے خیالات کا پیدا ہونا قدرتی ہے۔ ایک ضعیف ولب گور بیمار اگر اپنی صحت وتوانائی کے عہد کی طاقت آزمائیوں کو بیان کرے تو عجب نہیں کہ سننے والے نحیف وزار چہرے کو دیکھ کر تسلیم کرنے میں متامل ہوں۔ مسلمان آج اپنے بڑھاپے کے انحطاط واضمحلال میں مبتلا ہیں۔ ان کے قویٰ مضمحل ہو چکے اور ان کے چہرے پر رونق وشگفتگی کی جگہ افسردگی اور مردنی چھا گئی ہے، پھر ان کے "ذکر جوانی در عہد پیری" کو آج کون بغیر شک وشبہ کے تسلیم کرے گا؟ گری ہوئی دیواروں اور شکستہ اینٹوں کا ڈھیر ممکن ہے کہ کبھی ایک قصر چہل ستون ہو، مگر اس وقت تو ایک مٹی کے ڈھیر سے زیادہ نہیں!

(مولانا ابوالکلام آزاد)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا نظریۂ ارتفاقات

ابو الکلام (ایم اے، سال دوم)

(گزشتہ سے پیوستہ)

ارتفاق ثالث (Third Stage of Socio Economic Development): ارتفاقات کا دوسرا مرحلہ مکمل ہونے کا مطلب ہے ایک سادہ سا معاشرہ ایک ریاست مدن City State میں تبدیل ہو چکا ہوتا ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک ریاست مدن فصیلوں، عمارتوں اور منڈیوں سے نہیں بنتی؛ بلکہ یہ ایک ایسی سوسائٹی ہوتی ہے جہاں لوگوں کے مختلف گروہ باہمی تعاون، تعلقات اور مفادات کے تحت آپس میں تعامل Interaction کرتے ہیں۔ ان باہمی تعاملات کو Socio Economic Relationship زندہ وقائم رکھنے کی کوشش سے ارتفاقات کا تیسرا مرحلہ وجود میں آتا ہے۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ اسٹیٹ یا ریاست ایک یونٹ یا جسم کی طرح کام کرتی ہے اور اس لحاظ سے ایک جسم کی طرح اندرونی و بیرونی بیماریوں کا شکار ہونے کا خطرہ بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔ ان بیماریوں سے نمٹنے کے لئے اس جسم کو ایک فزیشن کی ضرورت رہتی ہے جس کا کام ریاست کو صحت مند حالت میں رکھنا ہوتا ہے۔ یہاں یہ ان کے نزدیک ریاست کو ایک لیڈر کی ضرورت ہوتی ہے جس کو وہ امام کا نام دیتے ہیں۔ یہ امامت ایک ایسا ادارہ ہوتا ہے جو مجموعی طور پر ریاست کے مفادات، سالمیت اور آزادی کا تحفظ کرتا ہے۔ شاہ صاحب ریاستی امور کو پانچ بڑے اداروں میں تقسیم کرتے ہیں:

(1). عدلیہ یا قضاء (Judiciary): جہاں تک عدلیہ کا تعلق ہے تو وہ یہ شعبہ ہے جو پیدا ہونے والے تنازعات اور اختلافت کو منصفانہ طور پر حل کرنے کا اختیار رکھتا ہے؛ کیونکہ جب بخل، حسد، تحقیر، لالچ اور انتقام جیسے جذبات وافعال حقوق کی ادائیگی میں داخل ہوتے ہیں، تو عوام میں اختلافات، جھگڑے اور تنازعات جنم لیتے ہیں۔ عدلیہ ان سب کے حقوق اور ذمہ داریوں کی صحیح طور پر انجام دہی کو یقینی بناتا ہے۔ **(2). انتظامیہ** (Executive): جب بگڑے ہوئے لوگ ایسے افعال سر انجام دیتے ہیں جن سے معاشرے کو لوگوں میں نقصانات کے تحفظات پیدا ہوئے ہیں اور سوسائٹی انارکی پھیلنے کا خدشہ ہوتا ہے تو ایک ایسے مضبوط ادارے کا قیام ضروری ہو جاتا ہے جو ایسے لوگوں کے خلاف تادیبی کاروائی عمل میں لا سکے۔ **(3). عسکریہ یا پولیس اور فوج** (Police and Military Force): جب بگڑے ہوئے لوگ پر تشدد کاروائیوں پر اتر آئیں جس سے عوام کے جانی ومالی امن نقص پیدا ہونا شروع ہا جائے جیسے قتل، ڈکیتی اور بغاوت وغیرہ تو یہ ادارہ ایسے پر تشدد اشخاص یا لوگوں کے خلاف کام کرتا ہے؛ تاکہ ریاست میں لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ نہ پیدا ہو۔ یہ ادراہ بنیادی طور پر جنگجوؤں پر مشتمل ہوتا ہے۔ **(4). فلاح عوامیہ یا التولی والنقابۃ** (Welfare and Public Works): ریاست کو بہترین حالت میں رکھنے کے لئے یہ ادارہ نہایت اہم ہے اس ادارے کے ذمہ ان امور کا سرانجام دینا ہوتا ہے، جو عموماً کسی اکیلے فرد کے لئے ادا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ مثلاً ریاست کی سرحدوں کی حفاظت، عوام کے لئے پینے کے لئے صاف پانی کی فراہمی، مارکیٹس، پل، نہریں، بند وغیرہ کی تعمیرات وانتظامات، لاوارث ویتیم بچوں کی تعلیم وتربیت اور شادیوں کا انتظام، عوامی جائیدادوں کی حفاظت اور ضرورت مندوں کے لئے وظائف کا انتظام اور ریاست کے آمد حسابات وغیرہ ہوتا ہے۔ **(5). من ہبۃ یا الموعظۃ** (Religious and Moral Business): اس ادارے کا کام بگڑے ہوئے لوگوں میں نیکی قوت پیدا کرنا ہوتا ہے اور ان میں منفی جذبات وخواہشات کو کنٹرول کرنے کی صلاحیت کو پروان چڑھانا ہوتا ہے؛ تاکہ وہ ایک مثبت شہری کا کردار ادا کرسکیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک یہ کام ریاست میں باقاعدہ ایک ادارے کی صورت میں ہونا ضروری ہے۔

ارتفاق رابع (Fourth Stage of Socio Economic Development): شاہ صاحب نے چوتھے ارتفاق کے طور پر ''خلافت کبریٰ'' کے ادارے کو ذکر کیا ہے اور اس کو ''سیاسۃ حکام المدن وملوکھا'' کا نام دیا ہے کہ کس طرح سے مختلف ممالک کے حکام کے درمیان تعلقات استوار رکھا جائے؛ کیونکہ معاشرہ اب ایک ایسے عالمی مرکزی ادارے کی شکل اختیار کر لیتا ہے جو عالمی سطح پر ریاستوں کے مابین معاملات کو دیکھے۔ اسی مرکزی ادارے کا نام خلافت کبریٰ ہے۔

خلیفہ سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس اتنا لاؤ لشکر اور فوجی ساز وسامان ہو کہ کوئی دوسرا شخص اس کا ملک چھین لے یہ بات بظاہر محال نظر آتی ہو۔ شاہ صاحب نے خلافت کا فائدہ یہ بتایا کہ اس سے بچاؤ کیا جاسکتا ہے۔ خلافت زمین میں اچھے انداز سے کام کرنا ہے؛ کیونکہ جب خلیفہ پایا جاتا ہے تو سرکش لوگ اس کے سامنے سر نگوں ہو جاتے ہیں اور تمام بادشاہ اس کے فرمانبردار ہو جاتے ہیں۔

خلافت کے لئے ضروری چیزیں: 1. چونکہ خلیفہ ایک بڑے ملک کا حاکم ہوتا ہے اس لئے خلیفہ کا بیدار مغز، عالی دماغ اور ہوشیار ہونا ضروری ہے۔ 2. خلیفہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی فوج میں بغاوت محسوس کرے تو دوسری جماعت بنا کر اس کا مقابلہ کرے۔ 3. وہ شان وشوکت اور عظیم فوج والا ہو۔ 4. اپنی اطاعت وخیر خواہی لوگوں پر لازم کرے۔ 5. خلیفہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو خاص ہیئت کا خوگر بنائے جیسے سرکاری زبان، پاسپورٹ، کرسی، وغیرہ پر اتفاق کرنا۔

☆☆☆

صحابیات کی خدمات حدیث

رضوانہ بیگم (ایم اے، سال اول)

اسلام کے آنے سے پہلے دنیا نے عورت کو ایک غیر مفید عنصر سمجھ کر میدانِ عمل سے ہٹا دیا تھا اور اسے پستی کے ایک ایسے غار میں پھینک دیا تھا کہ جسکے بعد اسکے ارتقا کی کوئی توقع نہیں تھی۔ اسلام نے دنیا کی اس روش کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، اور بتایا کہ زندگی مرد اور عورت دونوں ہی کی محتاج ہے، عورت اس لئے نہیں پیدا کی گئی ہے کہ اسے دھتکارا جائے اور شاہراہ حیات سے کانٹے کی طرح ہٹا دی جائے؛ کیونکہ جس طرح مرد اپنا مقصدِ وجود رکھتا ہے اسی طرح عورت کی تخلیق کی بھی ایک غایت ہے اور قدرت ان دونوں اصناف کے ذریعہ مطلوب مقاصد کی تکمیل کر رہی ہے، اسلام میں جس طرح مردوں سے خدمات لی گئی ہیں، اسی طرح عورتوں سے بھی کام لیا گیا ہے۔

دین کے ہر شعبہ میں صحابیات بھی صحابہ کے قدم بہ قدم رہی ہیں، چاہے وہ علم کا میدان ہو یا میدانِ جنگ، اسلام کی اشاعت میں جہاں جہاں صحابہ کرام کا ذکر ملتا ہے ممکن نہیں کہ وہاں کسی صحابیہ کا ذکر نہ آیا ہو، چاہے وہ دین کی خاطر مشقتیں برداشت کرنا ہو یا علم کی جستجو، یا اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے محبت کی انتہا ہو۔ دین کے ہر مرحلے میں صحابیات نے بھی صحابہ کے شانہ بہ شانہ ہوکر دین کی خدمات انجام دی ہیں۔ چونکہ ان کی تمام خدمات کو چند صفحات پر جمع کرنا ممکن نہیں ہے، لہذا یہاں چند صحابیات کی علمی خدمات کا ایک مختصر جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

حضرات صحابیات رضی اللہ عنہن کی قابلیت اور صلاحیت نے دین وعلم کے گوشوں کو تب وتاب بخشی اور زندگی کے ہر میدان میں انکے نقوش فہم وبصیرت نے رہنمائی کا کام دیا ہے اور وہ مرد کے ہمراہ امت کی ہدایت کے فرائض انجام دیتی رہی ہیں جسکی سب سے بڑی اور پہلی مثال ہمیں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ملتی ہے جن کی وسعت علم کے بارے میں انکے شاگردِ خاص اور بھانجے عروہ بن زبیر نے گواہی دی ہے۔

حدیث کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہ جیسے وسیع النظر اصحاب کی بعض آراء واجتہادات پر تنقید کرکے ان کے ذہن وفکر کو صحیح رخ کی طرف موڑا ہے، صحابہ میں جو بڑے بڑے حفاظ حدیث تھے ان میں حضرت عائشہ بھی ہیں، آپ کی روایات کی تعداد دو ہزار دو سو دس ہے حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت انس کے علاوہ کسی اور صحابی کی روایات اتنی نہیں ہیں۔ سیرت کی کتابوں میں جہاں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ جیسی ہستیوں کے ساتھ حضرت عائشہ کا ذکر آتا ہے وہیں مفتیانِ صحابہ کی دوسری صف میں حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان وغیرہ کے دوش بدوش حضرت ام سلمہ کا ذکر ملتا ہے، تیسرا گروہ جنھوں نے بہت کم فتوے دیئے ہیں ان میں حضرت حسن، ابوذر، ابوعبیدہ وغیرہم کے ساتھ ام عطیہ، حضرت حفصہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت صفیہ، لیلی بنت قائم، اسما بنت ابی بکر، ام شریک، ام دردا، عاتکہ بنت زید، سہلہ بنت سہیل، حضرت جویریہ، حضرت میمونہ، حضرت فاطمہ بنت قیس، ام سلمہ، ام ایمن، ام یوسف اور غامدیہ کا بھی شمار ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے ایک مقام پر عائشہ سے حدیث کا استفادہ کرنے والے اٹھاسی (88) افراد کا نام شمار کرنے کے بعد لکھ دیا ہے: ''خلق کثیر'' یعنی انکے علاوہ ایک بہت بڑی تعداد نے آپ سے روایت کی ہے، ان میں عمرو بن العاص، ابوموسی اشعری اور عبداللہ بن زبیر جیسے اصحابِ سیاست بھی ہیں، اور ابو ہریرہ، ابن عباس اور ابن عمر جیسے محدیث وفقیہ بھی، اس میں سرخیل تابعین سعید بن مسیّب بھی ہیں اور علقمہ بن قیس جیسے نامور فقیہ بھی۔

حضرت ام سلمہ سے احادیث روایت کرنے والے افراد کے نام بنام ذکر کرنے کے بعد حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان کے علاوہ اور بھی لوگ ہیں جنھوں نے ان سے روایات لیں ہیں، ان میں صحابہ اور نامور تابعین دونوں ہی شامل ہیں۔ ربیع بنت معوذ سے مسائل دریافت کرنے کے لئے کبھی حضرت عبداللہ ابن عباس حاضر ہوتے ہیں اور کبھی عبداللہ بن عمر، ان سے احادیث روایات کرنے والوں میں مدنیہ کے مشہور فقیہ سلمان بن یسار بھی ہیں اور عمار بن یاسر کے پوتے ابو عبیدہ، عباد بن ولید اور ابن عمر کے غلام نافع جیسے اربابِ علم وفضل بھی۔ حضرت فاطمہ بنت قیس سے قاسم بن محمد، سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور شعبی جیسے فضلائے وقت نے حدیث میں اخذ واستفادہ کیا ہے۔

ان چند اشارات کے ذریعہ دورِ اول کی چند خواتین کی علمی خدمات کا محض ایک مختصر خاکہ سامنے آسکتا ہے، اس کی اور بھی مثالیں تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں، جن کی علمی خدمات پر ایک مکمل کتاب لکھی جاسکتی ہے۔

علامہ اقبال نے کیا خوب کہا تھا:

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

☆☆☆

اسلام کا شورائی نظام

سلیمان سعود (ایم اے، سال دوم)

اجتماعی نوعیت کے جن امور کے متعلق قرآن وحدیث میں واضح تشریح موجود نہ ہو ان میں امت کے ارباب حل وعقد آزاد رائے کے ذریعہ فیصلہ کریں تو اس مشورہ اور کمیٹی کو شوریٰ کہتے ہیں۔ مشورہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ نظام حکومت کی بنیاد ہے، جس کی داغ بیل اسلام نے اس وقت ڈالی جب یورپ جمہوریت اور پارلیمنٹ کے مفہوم سے بھی نا آشنا تھا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا: ﴿وشاورھم فی الامر﴾ (آل عمران:159) حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کے علاوہ بہت سی نظریں ومثالیں ملتی ہیں جن میں آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ فرمایا، جیسے غزوۂ بدر کے موقع پر ابوجہل کے لشکر کا مقابلہ کرنا، جنگی قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑنا، غزوۂ احزاب میں خندق کھودنا وغیرہ ان مواقع پر مشورہ لینا ثابت ہے۔

ارباب شوریٰ کی صفات

اب مسئلہ یہ آتا ہے کہ ارکان شوریٰ کس قسم کے لوگ ہونے چاہئے اور ان کی تعداد کیا ہونی چاہئے؟ ارکان شوریٰ کے معیار کی تعیین علماء نے اس طرح کی ہے کہ وہ عادل یعنی دینی واخلاقی لحاظ سے قابل اعتماد، صاحب علم کم از کم مسائل امارت اور اہلیت امارت کی تفصیلات جانتا ہو، صاحب رائے اور حکمت وتدبر کے فن سے واقف ہو، موقع محل کی نزاکت سے آشنا ہو، ضروری حد تک لوگوں کے نفسیات سمجھتا ہو؛ لہٰذا جو لوگ اہلیت اور معیار زندگی پر پورے اترتے ہوں، انہیں شوریٰ کی رکنیت دی جائے گی۔ ذیل میں چند اہم اوصاف کی وضاحت کی جارہی ہے۔

1- ایمان: ارکان شوریٰ کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو؛ کیونکہ مجلس شوریٰ کی اہم ذمہ داریوں میں

شریعت اور احکام اسلام کی تشریح وتوضیح اور ترجمانی کرنا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ایمان ویقین کا ہی حامل نہ ہو تو اس سے یہ کیونکر امید کی جاسکتی ہے کہ اسلام اور احکام اسلام کی ترجمانی کرے گا۔ **2- فقاہت:** اسلامی ریاست کا دستور اساسی کتاب وسنت ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس کے ارکان کتاب وسنت اور تعلیمات میں گہری بصیرت رکھتے ہوں۔ **3- عدالت ودیانت:** قرآن کریم میں فاسق وفاجر کی اطاعت سے منع کیا گیا ہے۔ فاسق وفاجر جب گواہ اور قاضی نہیں بن سکتا تو قانون ساز ادارے کا رکن کیسے بن سکتا ہے، جو شخص ارکان اربعہ کا پابند نہ ہو اخلاقی جرائم کا عادی ہو وہ نہ مسلمانوں کا معتمد بن سکتا ہے اور نہ مخلصانہ مشورے دے سکتا ہے؛ لہٰذا ارکان مجلس شوریٰ میں عدالت ودیانت کا پایا جانا از حد ضروری ہے۔ **4- عاقل وبالغ ہونا:** دماغی طور پر مریض اور نا بالغ اپنے مال میں تصرف نہیں کرسکتا تو انہیں قومی امور کی رکنیت کیسے دی جاسکتی ہے؟ **5- عرف وعادت سے باخبر:** عرف اور رواج شریعت میں معتبر ہے، نیز غیر منصوص مسائل میں عرف وعادت پر کافی حد تک دارومدار ہوتا ہے۔

ارکان شوریٰ کی تعداد

اس میں مختلف نقطہائے نظر ہیں، احناف کی رائے میں فی الجملہ ایک جماعت ہونی چاہئے کوئی خاص تعداد مقرر نہیں، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ مجلس انتخاب میں اکثر ارباب حل وعقد کی شرکت وتائید ضروری ہے اور جو لوگ شرکت نہ کرسکیں وہ اپنا نمائندہ بھیجیں اس طرح ہر شہر سے نمائندگی ضروری ہے۔ شوافع کے راجح مسلک کے مطابق اس کے لئے کوئی تعداد مقرر نہیں ہے؛ بلکہ پوری ریاست میں اگر ایک ہی شخص حل وعقد کی اہلیت رکھتا ہو تو اس ایک کے انتخاب سے امارت منعقد ہو جائے گی اور پوری قوم پر اس کی تائید واتباع لازم ہوگی۔

ارکان شوریٰ کی عمر

مشورہ کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں عبداللہ بن عباسؓ ارکان شوریٰ میں داخل تھے، نیز آپ کی رائے پر حضرت عمرؓ فیصلہ بھی کیا کرتے تھے؛ حالانکہ مجلس میں اکثر ایسے صحابہ موجود ہوتے تھے جو عبد اللہ بن عباسؓ سے عمر میں بڑے ہوتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹوں سے مشورہ لینے میں کوئی حرج نہیں

مجلس شوریٰ میں خواتین کی رکنیت

اس سلسلہ میں دو آراء ہیں: پہلی رائے کے مطابق خواتین کو رکنیت دی جاسکتی ہے اور استدلال حضرت ام سلمہ کے مشہور واقعہ سے کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ کو حلق کروا کر احرام اتارنے کا مشورہ دیا تھا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ خواتین کو شوریٰ کی رکنیت دینا شریعت کے مطابق نہیں ہے اور دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے پیش کرتے ہیں۔

مشیر کے فرائض

(1). جس معاملہ میں اس سے مشورہ لیا جارہا ہے، اگر اس میں مکمل بصیرت ہو تو مشورہ دے ورنہ لاعلمی کا اظہار کردے۔ (2). غور وفکر کے بعد مشیر کار میں جس طرف مائل ہو رہا ہے، کسی رعایت کے بغیر صاف طور پر اس کا اظہار کر دے؛ یعنی مشیر کا ایک اہم فریضہ یہ بھی ہے کہ اسے اپنے بھائی کا حق سمجھتے ہوئے صحیح مشورے دے۔ رسول اللہ ﷺ نے جان بوجھ کر کسی کے معاملہ کو بگاڑنے یا کسی کا نقصان کرانے کے لئے مشورہ دینے کو خیانت اور گناہ قرار دیا ہے۔ (3). مشورہ دینے والے کی ذمہ داری ہے کہ جس معاملہ میں مشورہ لیا گیا ہے اس کو راز میں رکھے؛ کیونکہ مشورہ ایک امانت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مشیر امین ہوتا ہے۔

شوریٰ کے مقاصد

(1). اصابت رائے: مختلف آراء کے سامنے آنے پر صحیح رائے اخذ کرنے میں مدد ملے گی۔ (2). ملوکیت کا خاتمہ: اسلام میں ملوکیت کا تصور نہیں ہے۔ (3). ندامت اور حفاظت: بعض اوقات انسان انفرادی طور پر ایسا فیصلہ کر دیتا ہے کہ جس سے اس کو شرمندگی ہوتی ہے، جبکہ مشاورت میں اس ندامت سے بچ جاتا ہے۔ (4). آزادئ رائے اور محاسبہ: مشاورت سے آزادرائے اور محاسبہ بھی ہوتا ہے جب مشاورت کا اجلاس ہوتا ہے تو رعایا بلا خوف اپنے امیر کے کردار وگفتار پر گرفت کرسکتی ہے، جس سے حکمرانوں کا محاسبہ ہوتا ہے۔ (5). کتاب وسنت پر عمل: سب سے بڑا اور اہم فائدہ یہ ہے کہ قرآن وسنت کو سمجھ کر اس پر عمل کیا جائے اور غیر منصوص مسائل کو بنا مشاورت کے سمجھنا دشوار ہے۔

☆☆☆

رابعہ بصریہ: حیات اور تعلیمات

طفیل احمد (ایم اے، سال دوم)

اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ اس نے کسی صنف (مرد وعورت) کوایک دوسرے پر فوقیت نہیں دی بلکہ سب کوایک میزان میں تولا اگر فوقیت دی تو اس آیت کی سوشنی میں (یاایہاالناس انا خلقناکم من ذکروانثی : الاخ:سورہ حجرات13) تقوی کی بنا پر ہرکوئی ایک دوسرے پر فوقیت پا سکتا ہے،یہی وجہ ہے کہ عالم تصوف میں جس قدر مردوں نے شہرت پائی اس میں ایک نام مریم ثانی ''رابعہ بصریہ عدویہ'' کا آتا ہے جن کے ذریعہ عوام کی اصلاح کا کام انجام پاتا ہے،

آپ کی حالات زندگی واضح انداز میں نہیں ملتے اور جس نے بھی بیان کیا ہے وہ غیر محطاط انداز میں ہے،صاحب تذکرۃ الاولیاء نے سن پیدائش کا ذکرنہیں کیا ہے البتہ دور جدید کے تذکرہ نگاروں نے 97ھ بتایا ہے ،جبکہ ایک فرانسیسی مستشرق میسینو(Massignon) نے 95/99 پرزوردیا ہے،آپ کی پیدائش بصرہ کے ایک صوفی شیخ اسماعیل کے گھر میں ہوتی ہے آپ بہنوں میں چوتھے نمبر پرتھی اس کی مناسبت سے آپ کا نام رابعہ پڑا،والدین کی صحبت کا اثر آپ کی زندگی پر گہرا اثر کر گیا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کم عمری میں بھی تہجد گزارتھی عمر کے رفتار کے ساتھ ساتھ آپ حافظ قرآن ہوگئی تھیں،ساتھ ہی ساتھ حلال وحرام کی بھی تمیز ہوگئی تھی ،آپ کے اندر زہد وتقوی ،فقر وفاقہ ،قناعت اور خاموشی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا،ابھی عمر میں بڑھوتری ہوہی رہی تھی کہ والدین کا سایہ عاطفت آپ کے سر سے اٹھ گیا

اسی زمانہ میں بصرہ کے اندر قحط پڑا جسکی وجہ سے چاروں بہنیں منتشر ہوگئیں،آپ کوایک ظالم نے پکڑ کر بغداد کے بازار میں فروخت کردیا مشتری آپ کو گھر لے گیااور سخت محنت کے کام کرواتا دن بھر مالک مجازی کی خدمت کرتی اورروزہ رکھتی جبکہ رات تمام مصلی پر مالک حقیقی کے سامنے گزاردیتی ،بالآخروہ دن آگیا جب آپ آزاد ہوگئیں اورآزادی حاصل کرکے کوفہ سے بصرہ کی جانب روانہ ہوئیں تاکہ علم میں گہرائی وگیرائی حاصل ہوسکے کیونکہ اس وقت کوفہ علم وعلماء کا مرکز تھا وہ وہاں علمی مجلسوں میں شریک ہوتی اور مستفید ہوتی ،فقہ وحدیث کی تعلیم حاصل کی اورامور دینیہ میں مردوں پر سبقت لے گئیں ،اسرارفقہ وحدیث اور تفسیر کے رموز میں اچھی مہارت حاصل کی،آپ کے وعظ نے بڑے بڑے علماء کوحیران کردیا تھا آپ کی مجلسوں میں بڑے بڑے علما شریک ہوتے مثلا: سفیان ثوری ، مالک بن دینار ،عبدالواحدوغیرہ اورعلم کی پیاس کو بجھاتے تھے۔

تعلیمات: آپ کی تعلیمات کا منبع حب الٰہی پر مشتمل تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کی تعلیمات میں مناجات کا ذکرزیادہ ملتا ہے کیونکہ آپ کو جب بھی موقع ملتا آپ مناجات کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالی سے باتیں کرتیں تھیں۔

آپ کے چہرہ پر ہروقت غم کا اثر رہتا اور عشق الٰہی میں آنکھیں آب دیدہ رہتی تھیں کسی نے سوال کیا اس رونے کی وجہ کیا ہے تو جواب ملا کہ میں اس بات سے ڈرتی ہوں کہ کہیں موت کے وقت یہ ندانہ آجائے کہ تو میری بارگاہ کے قابل نہیں ،رابعہ بصریہ عشق الٰہی کی آگ میں جلنے والی اور خدا کی آرزوں میں سرشاد رہنے والی خاتون تھی،

آر۔اے نکلسن نے رابعہ بصریہ کے بارے میں کہا ہے''رابعہ کے ساتھ محبت ایک نہ بجھنے والا شعلہ تھا جو رسمی مذہب کی راکھ میں سلگ رہا تھا اور تصوف کی شمع کے ساتھ تاریک ترین دور میں مسلمانوں کے دلوں کو فتح کرلیا تھا ''ان کے نزدیک عشق الٰہی کا وہ مقام تھا کہ ایک غلطی پر بھی زجر وتوبیخ کر ڈالتی تھیں سفیان ثوری نے ان کی موجودگی میں یہ دعاء کی''اے اللہ تم ہم سے راضی ہو جا''اس پر رانعہ نے فورا کہا سفیان تم کوشرم نہیں آتی کہ تم اللہ سے کہتے ہو کہ راضی ہوجا جب کہ تم خوداس سے راضی نہیں ہو،حضرت جعفر نے رابعہ سے سوال کیا کہ بندہ خدا سے کب مطمئن ہوتا ہے جواب ملا خوشی وغم میں اس کی حالت یکساں ہوں۔

توبہ کے بارے میں سوال کرنے پر جواب ملا توبہ کی توفیق ملنا ہی توبہ کے قبولیت کی علامت ہے ہاں محض زبان سے توبہ واستغفار کرنا کاذبوں کا عمل ہے۔

عبادت کے متعلق آپ نے ہمعصروں سے سوال کیا تو جواب آیا جنت کی امید اور جہنم سے دوری اس پر آپ غضبناک ہوئیں اورفرمایا وہ بڑا ہی برا بندہ ہے جو دوزخ کی پناہ اور جنت کی امید میں اسکی عبادت کرے اگر جنت وجہنم نہ ہوتا تو کیا تم اسکی عبادت نہ کرتے ؟ایک مرتبہ آپ اپنے ہاتھوں میں آگ کی مشال اور پانی کا بالٹی لے کر بھاگی جارہی تھیں کسی نے پوچھا کہا جارہی ہیں بولی جہنم کو بجھانے اور جنت میں آگ لگانے تاکہ کوئی جنت وجہنم کی بناپر عبادت نہ کرے ،ایک رات آپ عشق الٰہی میں اس قدر منہمک تھیں کہ بے ساختہ زبان سے الحریق الحریق کی صدا بلند ہوئی لوگ آگ بجھانے نکلے تو راستہ میں ایک صاحب نظر بزرگ نے یہ ماجرا دیکھ کر مسکرائے اورکہا یہ بیوقوف اس کی آگ بجھانے نکلے ہیں حالانکہ اس کی آگ تو عشق الٰہی کی آگ ہے جو وصال پہ ٹھنڈی پڑے گی ،اس بیلوث محبت کو دیکھ کرابن عربی کا قول یاد آتا ہے''العشق نار فقد وقع فی القلب فاحترقت ماسوا المحبوب''،عشق آگ ہے دل میں لگی ہو تو محبوب کے سوا سب کچھ جلا دیتی ہے۔

مناجات: ''الٰہی جوکچھ تونے دنیاں میں ہمارا حصہ مقدر کیا ہے وہ اپنے دشمنوں کو دیدے اور جو کچھ آخرت میں ہمارا حصہ مقرر کیا ہے وہ اپنے دوستوں کو دیدے ہمارے لئے تو توہی کافی ہے''۔

''الٰہی !میرا کام اور میری آرزو دنیاں میں فقط تیری یاد اورآخرت میں فقط تیرا دیدار،میری آرزو وخواہش تو ہی ہے باقی تو مالک ہے جو چاہے سوکر''۔

''الٰہی !اگر میں جہنم کے خوف سے تیری عبادت کروں تو مجھ کو جہنم میں ڈال دے اور اگر جنت کی آرزو میں تیری عبادت کروں تو جنت کو مجھ پر حرام کردے،اور اگر خاص تیرے لئے ہی تیری عبادت کروں تو اپنے جمال بے پناہیت سے مجھے بےنصیب نہ کر''۔

آخر کار وہ گھڑی آگئی اور ایک عاشق اپنے معشوق سے185ھ کوجاملا۔ اناللہ واناالیہ راجعون

☆☆☆

شعبہ اسلامک اسٹڈیز کی علمی سرگرمیاں: ایک نظر میں

گلزار احمد وانی (ایم اے، سال دوم)

شعبۂ اسلامک اسٹڈیز میں تعلیمی سرگرمیوں کے علاوہ مختلف قسم کے سماجی، دینی اور اطلاعاتی پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں۔ان پروگراموں کے انعقاد کے مقاصد میں طالب علم کی صلاحیتوں کو نکھارنا اوران میں پوشیدہ مہارتوں کو بروئے کارلا کر منظّم طریقے سے ملک وقوم کی خدمت کے اہل بنانا شامل ہے۔ایسے پروگرام طلباء کے اندر لکھنے، پیش کرنے اور بولنے کی صلاحیت بھی پیدا کرتے ہیں، شعبہ کے طلباء کے لیے نہایت ہی فائدہ بخش ثابت ہوتے ہیں۔

توسیعی خطبہ

☆ 9مارچ2017 کوشعبہ کی جانب سے ''اسلامی شریعت اورتکثیری سماج: ہندوستانی تناظر میں'' کے عنوان پرایک توسیعی خطبہ کا انعقاد کیا گیا، جس میں مشہور اسلامی اسکالر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (ناظم المہد العالی اسلامی) نے اپنا پر اثراور مدلل خطبہ پیش کیا، ڈاکٹر محمد اسلم پرویز (عزت مآب شیخ الجامعہ) نے پروگرام کی صدارت کی، اس موقع پر مختلف شعبوں کے صدور، اسکولوں کے ڈین اور یونیورسٹی کے اساتذہ کے علاوہ طلبہ کی بڑی تعداد موجود تھی۔

دیواری پرچہ کی رسم اجرا

☆ 8فروری، 2017ء کو طلبہ کی تحریری سرگرمیوں کے آئینہ دار دیواری پرچہ ''اسلامی مطالعات'' کے چوتھے شمارے کی رسم اجراء پروفیسر شاہد علی عباسی (عثمانیہ یونیورسٹی) اور پروفیسر اقتدار محمد خاں (جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی) کے ہاتھوں انجام پائی۔اس موقع پر مہمانانِ گرامی کے ساتھ صدر شعبہ ڈاکٹر محمد فہیم اختر بھی شعبہ کے عملہ کے ساتھ پروگرام میں شریک تھے۔

اسلامی مطالعات فورم

یہ فورم شعبہ کا ایک متحرک پلیٹ فارم ہے، جو ہر جمعرات کو پروگرامس منعقد کرتا ہے،فورم کے تحت ہونے والے چند پروگراموں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

☆12 جنوری،2017 کوشعبہ میں 'اسلامی مطالعات فورم' کے تحت ایک دستاویزی فلم ''ہندوستان برطانوی دَور سے پہلے اور بعد'' کی نمائش عمل میں آئی، جس میں ہندوستان کی تاریخ پر مفصل روشنی ڈالی گئی۔اس میں بتایا گیا کہ برطانوی دَور سے پہلے ہندوستان 'سونے کی چڑیا' کے نام سے موسوم تھا۔اس پیش کش سے یہاں کے تابناک ماضی سے بخوبی آگاہی ہوئی۔ ☆ 19 جنوری، 2017ء کو ''دستور ہند'' پر ایک خطاب کا اہتمام ہوا۔ جس میں ڈاکٹر افروز عالم (صدر شعبہ سیاسیات، مانو) نے ہندوستان کے آئین سے متعلق طلبہ کو مفید اور ضروری معلومات سے روشناس کرایا۔ ☆ 2 فروری،2017ء کو طلبہ کے درمیان ایک مباحثہ کا اہتمام ہوا، جس میں ''ملک کے تئیں ہماری ذمہ داریاں اور چیلنجز'' اور ''شہریت، فرائض اور ذمہ داریاں'' جیسے موضوعات پر شرکاء نے مفصل اور مدلل گفتگو کی۔ ☆ 9فروری، 2017ء میں دستاویزی پیش کش ''ہندوستان برطانوی دور سے پہلے اور بعد'' کی دوسری قسط کی نمائش عمل میں لائی گئی۔اس دستاویزی فلم میں برطانوی جارحیت اور ناجائز قبضہ کی پُر درد عبرت ناک داستان پیش کی گئی۔☆16فروری،2017ء کو شعبہ کے طلبا کی طرف سے ''اسلامیات کے طلباء اور ملازمتیں: چیلنجز وامکانات'' پر ایک مذاکرہ کا انعقاد ہوا،اس پروگرام میں طلبہ نے اجتماعی طور پر اپنے مستقبل کے تعلق سے گفتگو کی، اور اپنے ساتھوں سے اہم معلومات حاصل کیں۔ ☆23فروری کو ''اسلامی مطالعات'' کے بینر تلے دستاویزی فلم کی آخری قسط ''ہندوستان برطانوی دور سے پہلے اور بعد'' کو ناظرین کے سامنے پیش کیا گیا۔ 30 منٹ پر مبنی اس اہم دستاویزی فلم میں 'جلیانہ والا باغ' کے دردناک اور انسانیت سوز واقع پر مفصل روشنی ڈالی گئی۔علاوہ ازیں اس فلم میں کئی سارے واقعات کے ساتھ ساتھ ہندوستان سے برطانوی سامراج کے خاتمہ کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی گئی۔☆2مارچ 2017 کو شعبہ کے اساتذہ اور اسکالروں نے ڈاکٹر حمید اللہ پر دہلی میں منعقد ہونے والے بین الاقوامی سیمنار کے حوالے سے ''ڈاکٹر حمیداللہ کی علمی تحقیقات'' کے عنوان پر سیمینار کے تجربات اور مقالات کا ماحصل حاضرین کے سامنے پیش کیا۔☆ 16مارچ2017 کو شعبہ میں بیت بازی کے عنوان سے شعروسخن کی محفل سجائی گئی، جس میں احمد فراز، فیض احمد فیض، مرزا غالب اور داغ دہلوی کے نام سے چار ٹیموں نے شرکت کی۔ٹیموں کے درمیان مقابلہ دیدنی اور دلچسپ تھا۔ ٹیم غالب نے اول مقام حاصل کیا،ٹیم داغ دہلوی نے دوم مقام جبکہ ٹیم فیض احمد فیض نے سوم مقام حاصل کیا۔

خصوصی خطابات

☆ شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ کی شخصیت سازی کے لئے 28فروری 2017 کو Personality Development پر ایک لیکچر کا اہتمام ہوا، جس میں طلباء کو اپنا تشخص اور اندرونی صلاحیتوں کو نکھارنے کا مشورہ دیا گیا۔☆ 7مارچ2017 کو ''ملازمت کی مہارتیں'' کے موضوع پر جناب عبدالمجیب خان چیئر مین ''تمکین سولیوشن'' حیدرآباد نے طلبا کو خطاب کیا اور اپنا مفصل اور مفید لیکچر پیش کیا۔

ان تمام پروگراموں سے طلبہ نے استفادہ کیا، اور شعبہ کے اساتذہ کی سرپرستی میں اپنی کاروائیاں انجام دیں۔

☆☆☆

محمد فاتح کا دور حکومت

محمد عمران (ایم اے، سال دوم)

محمد ثانی،30مارچ1432ء کوادرنہ میں پیدا ہوئے جو اس وقت سلطنت عثمانیہ کا دارالحکومت تھا۔ان کے والد سلطان مراد ثانی اور والدہ ہما خاتون تھیں۔11 سال کی عمر میں محمد ثانی کو اماسیہ بھیج دیا گیا جہاں انہوں نے حکومت سنبھالنے کی تربیت حاصل کی۔اگست 1444ء میں مراد ثانی اناطولیہ میں امارت کرمان کے ساتھ امن معاہدے کے بعد12 سالہ محمد ثانی کے حق میں سلطنت سے دستبردار ہوگئے۔

محمد فاتح نے بہترین اساتذہ کے زیر نگرانی علوم وفنون کی تحصیل کی،محمد فاتح اپنی مادری زبان کے علاوہ عربی،فارسی،عبرانی ،لاطینی اور یونانی زبان پر بھی قدرت رکھتا تھا، دنیا کی تاریخ اور جغرافیہ سے اسے پوری واقفیت تھی، وہ خود ایک بلند پایہ شاعر اور شعروسخن کا بہت بڑا سرپرست تھا، اس کے دربار سے تیس عثمانی شعراء کو وظیفے ملا کرتے تھے، وہ ہر سال بیش بہا تحائف خواجہ جہاں (ہندوستان) اور مولانا (ایران) کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا،اس کا دربار اہل کمال اور علماء سے معمور رہا کرتا تھا۔

کارنامے

قانون نامہ: آئین سلطنت کی تیاری کے سلسلہ میں محمد فاتح نے بنیادی رول ادا کیااور عثمانی سلطنت کو مضبوط قوانین دیئے،اس سے قبل سلطنت عثمانیہ میں اس قسم کا کوئی مضبوط اور جامع آئین موجود نہیں تھا، اس آئین کا نام''قانون نامہ'' پڑااور یہ قانون نامہ سلطنت عثمانیہ کا آئینی وقانونی دستور قرار پایا،اس نے اپنے آئین سلطنت میں سلطان کوایک خیمہ سے تشبیہ دیااوراس نے یہ بتایا کہ یہ چار ستونوں پر قائم ہے:(۱)وزرائے سلطنت، (۲)دفتر دار، (۳) قضاۃ عسکری، (۴)نشانچی۔ اور اس شاہی خیمہ کے بلند دروازے کوباب عالی سے تشبیہ دیا۔

محمد فاتح نے اپنے دور حکومت میں کثرت سے مسجدیں تعمیر کروائیں ،جن میں جامع ابی ایوب قابل ذکر ہے، مدرسے، بازار، شفاخانے اور مکاتب وغیرہ قائم کئے،اوران کے اخراجات کے لئے بڑی بڑی جائدادیں بھی وقف کیں۔

فتوحات

محمد فاتح کا شمارتاریخ کے نامورحکمرانوں اورعظیم فاتحین میں ہوتا ہے،اس نے قسطنطنیہ کی ناقابل تسخیر قلعہ کو فتح کرکے ایک حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا جس کی بناپر اسے ''الفاتح'' کے لقب سے پکارا گیا۔

فتح قسطنطنیہ: 667 قبل مسیح میں یونان کی توسیع کے ابتدائی ایام میں شہر کی بنیاد ڈالی گئی۔اس وقت شہر کواس کے بانی بائزاس کے نام پر بازنطین کا نام دیا گیا۔11 مئی330ء کوقسطنطین کی جانب سیاسی مقام پر نئے شہر کی تعمیر کے بعد اسے قسطنطنیہ کا نام دیا گیا۔قیصر روم کے دارالسلطنت پر قبضہ کی سب سے پہلی کوشش مسلمانوں نے امیر معاویہؓ کے زمانہ میں کی تھی،اس کے بعد عربوں اور ترکوں نے اس کے بعد کئی مرتبہ چڑھائی کی جن میں عثمانی سلطان بایزید اور مراد اول بھی شامل ہیں تاہم انہیں اس میں کامیابی ہاتھ نہ لگی، یہ فخر عثمانی سلطان محمد فاتح کی قسمت میں لکھا تھا،محمد فاتح نے ی شہر۵۴ دن کے محاصرہ کے بعد ۲۹ مئی ۱۴۵۳ء کو فتح کیا، اور اس طرح رومیوں کی گیارہ سو سالہ قدیم سلطنت کا چراغ گل ہوگیا،اس فتح کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی بھی پوری ہوگئی جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ'' خدا نے مجھے قیصروکسریٰ کی حکومتوں کی کنجیاں دے دی ہیں''۔

محمد فاتح نے قسطنطنیہ کی فتح کے علاوہ اور بھی کئی فتوحات کیں جن میں سرویا، بوسنیا اور یونان ہیں جواب تک ترکی حکومت کے ماتحت نہیں تھے بلکہ خراج دیتے تھے لیکن محمد فاتح نے ان علاقوں کو ترکی حکومت کا حصہ بنالیا،ان کے علاوہ شمال میں کریمیا کے علاوہ اور مشرق میں طرابزوں اور سینوپ کی حکومتوں پر فتح حاصل کی، ساتھ ہی ساتھ اس نے بحری بیڑے کو بھی کافی ترقی دی،سلطنت کے دونوں حصوں کے درمیان چونکہ سمندر تھا،فوجوں کو مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق لانے کے لئے ترکوں کو ہمیشہ عیسائی سوداگروں سے جہاز حاصل کرنے پڑتے تھے محمد فاتح نے اس کمی کو دور کیا اور نیا بحری بیڑہ تیار کیااوراسی کے ذریعہ اس نے اٹلی پر حملہ کیا تھا جس کا سربراہ کریمیا کا احمد کدک پاشا تھا ،اس نے اٹلی اوراوٹرانٹو کوفتح کیا تھا،لیکن اس عرصہ میں محمد فاتح کا انتقال ہوگیا۔

اوٹرانٹو جیسے مضبوط شہر اور بندرگاہ پر قابض ہونے کے بعد محمد کے لئے اٹلی کی فتح کے لئے راستہ کھل گیا تھا،دوسرے سال وہ کسی جدید مہم کے لئے فوجیں اکٹھا کررہا تھا لیکن دفعتۃً ۲ رمئی ۱۴۸۱ء کا اکیاون سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوگیا، فاتح کی موت سے یورپ کی جان میں جان آگئی، تجہیز وتکفین اس مشہور مسجد میں ہوئی جسے اس نے قسطنطنیہ موجودہ استنبول، میں تعمیر کروایا تھا، وہ پہلا سلطان تھا جو اس نئے دارالسلطنت میں دفن ہوا۔

☆☆☆